گاندھی جی دکھنی افریقہ میں

(بڑے آدمی کی ایک چھوٹی سی کہانی)

مکتبہ پیامِ تعلیم۔ جامعہ نگر۔ نئی دہلی ۲۵

گاندھی جی دکھنی افریقہ میں

(بڑے آدمی کی ایک چھوٹی سی کہانی)

یوسف ناظم

مکتبہ پیامِ تعلیم۔ جامعہ نگر۔ نئی دہلی ۲۵

انھیں ڈبّے کے باہر کر دیا۔ ان کا سامان بھی پلیٹ فارم پر رکھ دیا گیا اور ٹرین چلی گئی۔ گاندھی جی چاہتے تو اِس ٹرین سے سفر کر سکتے تھے لیکن وہ بے عزّتی اور نا انصافی کیسے سہہ سکتے تھے۔ وہ جاڑوں کے دن تھے اور گاندھی جی رات بھر سردی میں ٹھٹھرتے رہے لیکن اس ٹھنڈی اور برفیلی رات میں ان کے دل میں آگ سلگ رہی تھی۔ اسی رات انھوں نے طے کیا کہ وہ گورے اور کالے کے اس فرق کو مٹانے کے لیے زندگی بھر لڑائی لڑتے رہیں گے۔ انھوں نے وہیں سے ریلوے کے جنرل مینیجر کو ایک تار بھیجا جس میں انھوں نے ریلوے کے افسروں کی زیادتی کی شکایت کی۔ اس تار کے جواب میں جنرل مینیجر نے انھیں یہ اطلاع دی کہ ریلوے کے افسران نے جو کچھ کیا ٹھیک تھا۔ گاندھی جی نے عبداللہ سیٹھ کو بھی تار سے اپنے اسٹیشن پر روک دیے جانے کی خبر بھیجی اور عبداللہ سیٹھ نے اس جگہ کے میمن تاجروں کو گاندھی جی کی مدد کرنے کے لیے فوراً لکھ بھیجا۔ کئی میمن تاجر گاندھی جی سے ملنے اسٹیشن آئے اور سب نے انھیں یہی بتایا کہ ایسی باتیں تو یہاں روزانہ ہی ہوتی رہتی ہیں۔ گاندھی جی کو دن بھر اسٹیشن پر ٹھہرے رہنا پڑا اور شام کی گاڑی سے وہ چارلس ٹاؤن روانہ ہوئے۔ وہ دوسرے دن صبح چارلس ٹاؤن پہنچے جہاں سے انھیں جوہانس برگ جانا تھا۔ ان دنوں چارلس ٹاؤن سے جوہانس برگ جانے کے لیے ریل نہیں تھی۔ بس سے سفر کرنا پڑتا تھا۔ گاندھی جی کا یہ سفر ریل کے سفر سے بھی زیادہ ذلّت اور خطرے کا تھا۔ بس کے کنڈکٹر نے جب

گاندھی جی کو دیکھا تو اسی وقت اپنے دل میں فیصلہ کرلیا کہ اس کالے آدمی کو تو دوسرے مسافروں کے ساتھ اندر بیٹھنے نہیں دے گا۔ پہلے تو اس نے گاندھی جی سے کہا کہ تمھارا ٹکٹ تو بیکار ہو گیا ہے اور آج کے سفر کے کام نہیں آئے گا۔ جب اس بات کا اسے صحیح جواب ملا تو اس نے کہا ٹھیک ہے تم ڈرائیور کے بازو میری سیٹ پر بیٹھ جانا اور میں بس میں اندر کی سیٹ پر بیٹھوں گا۔ گاندھی جی سمجھ گئے کہ یہ شخص انھیں گورے رنگ کے مسافروں کے ساتھ نہیں بٹھانا چاہتا ــــــ گاندھی جی نے سوچا اگر انھوں نے یہاں بھی ضد کی تو شاید وہ کبھی اپنی منزل پر پہنچ نہیں پائیں گے۔ انھوں نے ڈرائیور کے بازو کی سیٹ پر بیٹھنا منظور کرلیا۔ لیکن جھگڑا ختم کہاں ہوا وہ تو اب شروع ہونے والا تھا ــــــ دن میں ۳ بجے کے قریب جب یہ بس پارڈ یکاف پہنچی تو کنڈکٹر کا جی چاہا کہ وہ ڈرائیور کے بازو بیٹھ کر سگریٹ پیے اور تازہ ہوا بھی کھائے۔ اس نے ایک میلا بلکہ گندہ کپڑا کہیں سے نکال کر بس کے دروازے کے پاس بچھا دیا اور گاندھی جی سے کہا اب تم یہاں بیٹھو اور میں اپنی سیٹ پر بیٹھوں گا ــــــ کوئی شخص بھی اتنی بے عزّتی نہیں سہہ سکتا تھا اور وہ تو گاندھی جی تھے۔ انھوں نے انکار کر دیا اور کہا اگر تمھیں اپنی سیٹ پر بیٹھنا ہے تو مجھے اندر بیٹھنے دو۔ کنڈکٹر نے کبھی سوچا بھی نہ تھا کہ کوئی کالا آدمی اس سے بحث کرے گا۔ ایسا افریقہ میں کبھی نہیں ہوا۔ کنڈکٹر نے گاندھی جی کی کنپٹیوں پر گھونسے مارنے شروع کیے اور انھیں بس کے باہر ڈھکیل دینا چاہا

گاندھی جی نے دروازے کے ہینڈل کو مضبوطی سے پکڑ لیا۔ بس کے کے کنڈکٹر نے بھی انھیں اتنی ہی طاقت سے نیچے گرانا چاہا۔ گاندھی جی کی کلائی کی ہڈّیاں ٹوٹنے کے قریب تھیں۔ یہ منظر دیکھ کر بس کے مسافروں نے چیخ چیخ کر کنڈکٹر کو انھیں مارنے اور ڈھکیلنے سے منع کیا۔ وہ غصّے سے لال پیلا ہو رہا تھا۔ مسافروں کے کہنے پر اس نے گاندھی جی کو چھوڑا لیکن انھیں دھمکی بھی دی کہ دیکھو اسٹینڈرٹن پہنچ کر میں تمھیں کیسا مزا چکھاتا ہوں۔ راستہ بھر گاندھی جی دُعا مانگتے رہے کہ یہ سفر خیر و خوبی سے ختم ہو۔ بس جب اسٹینڈرٹن پہنچی تو وہاں کچھ ہندستانیوں کو دیکھ کر ان کی جان میں جان آئی۔ یہ لوگ عبداللہ سیٹھ کے کہنے پر انھیں لینے آئے تھے۔

گاندھی جی نے شکایت کا ایک لمبا چوڑا خط بس کمپنی کو لکھا اور اس کا جواب بھی انھیں فوراً ہی مل گیا۔ آگے کے سفر میں یہ کنڈکٹر موجود نہیں تھا اور گاندھی جی آخر کار جوہانس برگ پہنچے۔ جوہانس برگ بڑا شہر ہے۔ گاندھی جی بس سے اتر کر تھوڑی دیر ٹھہرے رہے کہ شاید انھیں کوئی لینے آتا ہو، لیکن جو کوئی بھی انھیں لینے آیا تھا انھیں پہچان نہ سکا اور گاندھی جی اکیلے ہی ٹھہرنے کی جگہ کی تلاش میں نکل پڑے۔ انھوں نے ٹیکسی والے سے انھیں گرینڈ نیشنل ہوٹل چلنے کے لیے کہا اور ہوٹل پہنچ کر انھوں نے منیجر سے ایک کمرہ مانگا۔ منیجر نے انھیں اوپر سے نیچے تک دیکھا۔ منیجر نے کبھی ایسے شخص کو اتنے بڑے ہوٹل میں آتے اور ٹھہرنے کے لیے کمرہ مانگتے نہیں دیکھا تھا۔ ہندستانیوں کو افریقہ میں قُلی کہا جاتا تھا۔ قلی اور

ہوٹل! یہ بات منیجر کی سمجھ میں نہیں آئی۔ اس نے گاندھی جی سے کہہ دیا، ہمارے یہاں کوئی کمرہ خالی نہیں ہے۔ گاندھی جی نے جب یہ قصّہ اپنے میمن میز بانوں کو سنایا تو وہ لوگ بہت ہنسے اور انھوں نے گاندھی جی سے پوچھا: آپ کے دماغ میں یہ بات آئی کیسے کہ آپ کو افریقہ کے کسی ہوٹل میں ٹھہرنے کی جگہ مل جائے گی۔ پھر ان لوگوں نے گاندھی جی کو بتایا کہ اس ملک میں ہندستانیوں کی کیا حالت ہے اور ان کے ساتھ کتنا بُرا سلوک کیا جاتا ہے۔

جوہانس برگ سے پریٹوریا کے سفر میں بھی ریلوے گارڈ نے گاندھی جی کو پہلے درجے سے اٹھاکر تیسرے درجے میں بھیجنا چاہا۔ ڈبّے میں صرف ایک انگریز مسافر تھا جس نے گارڈ سے سختی سے پوچھا کہ تمھیں ایک شریف آدمی کو ستانے کا کیا حق ہے۔ ریلوے گارڈ نے انگریز مسافر کو جو جواب دیا، سُننے کے لائق ہے۔ اس نے کہا:

"اگر آپ کو ایک قلی کے ساتھ بیٹھ کر سفر کرنا پسند ہے تو میں کیا کر سکتا ہوں!"

گاندھی جی افریقہ گئے تھے ایک مقدمے کے سلسلے میں اور وہ بھی صرف ایک سال کے لیے۔ عبداللہ سیٹھ کے مقدمے میں تو یہ ہوا کہ گاندھی جی کے کہنے پر عبداللہ سیٹھ اور طیّب جی دونوں صلح کرنے پر راضی ہو گئے اور یہ مقدمہ عدالت کے باہر ہی طے پا گیا۔ لیکن گاندھی جی نے وہاں تھوڑے ہی دِن رہنے کے بعد یہ جان لیا تھا کہ ہندستانیوں کو افریقہ میں سر اٹھاکر چلنے کے لیے کیا کرنا ہوگا۔ ان کی واپسی کے دن قریب آ گئے تھے۔ عبداللہ سیٹھ نے

انھیں رخصت کرنے کے لیے ایک بڑی دعوت کا انتظام کیا جس میں سبھی ہندستانی موجود تھے ۔ یہ ان کی واپسی کا دن تھا لیکن قدرت کو کچھ اور منظور تھا۔ اسی دعوت میں گاندھی جی کی نظر اخبار میں ایک خبر پر گئی جس میں ہندستانیوں کو ووٹ دینے کے حق کے بارے میں کچھ لکھا گیا تھا ۔ گاندھی جی نے جب عبداللہ سیٹھ سے اس کے بارے میں پوچھا تو انھوں نے بتایا کہ ہم لوگ اخبار تو صرف اس لیے خریدتے ہیں کہ بازار کا بھاو معلوم کرسکیں۔ گاندھی جی نے ان سب لوگوں کو بتایا کہ اگر ہندستانیوں نے ووٹ دینے کے معاملے کو یونہی چھوڑ دیا تو افریقہ میں وہ ہمیشہ قلی اور بیگار مزدور ہی کی طرح رہیں گے۔ ان کی تقریر اتنی جوشیلی تھی کہ سب لوگوں نے طے کیا کہ گاندھی جی کو واپس نہیں جانے دینا چاہیے۔ گاندھی جی نے جب کہا کہ حق کے لیے لڑنے میں روپیا بھی خرچ ہوگا اور کچھ کام کرنے والے بھی درکار ہوں گے تو سب لوگوں نے کہا ہم ہر طرح کے کام کے لیے تیار ہیں اور روپیا بھی جمع ہو جاتے گا ـــ کہاں تو گاندھی جی واپس ہونے والے تھے اور کہاں وہ ان سب کے لیڈر بن گئے ۔ یہ روشنی کی پہلی کرن تھی ـــــ گاندھی جی نے افریقہ میں ٹھہر جانا منظور کرلیا۔ یہ انقلاب کی طرف پہلا قدم تھا۔ گاندھی جی نے نٹال کو اپنا گھر بنالیا اور یہیں سے حق کی لڑائی شروع ہوئی۔ گاندھی جی جنھیں ٹرین سے اٹھا کر باہر پھینک دیا گیا تھا، گاندھی جی جنھیں بس کنڈکٹر نے گھونسے مارے تھے اب افریقہ میں رہنے بسنے والے ہندستانیوں کے چہیتے لیڈر تھے۔ انھوں

نے چند ہی دنوں میں ایک درخواست پر ۱۰ہزار ہندستانیوں کے دستخط حاصل کر لیے جو کوئی معمولی کام نہ تھا۔ یہ کام گاندھی جی نے اور ان کے دوستوں نے کیا۔ اس درخواست کی ہزاروں نقلیں ادھر اُدھر بھیجی گئیں۔ اس ایک کام نے افریقہ کے سارے ہندستانیوں کو موتیوں کی طرح ایک لڑی میں پرو دیا۔ گاندھی جی نے اپنے لیے بھی وہاں کی سپریم کورٹ میں وکالت کرنے کی سند حاصل کر لی۔ یہ بھی بڑا مشکل کام تھا اور افریقہ کے وکیلوں کی انجمن نے انھیں سند دیے جانے کی سخت مخالفت کی تھی، لیکن گاندھی جی عدالت میں اپنا مقدمہ جیت گئے — ہندستانی جیسے جیسے ایک ہوتے گئے ویسے ویسے طاقت ور بھی ہوتے گئے۔ محنت کرنے میں وہ کسی سے پیچھے نہیں تھے۔ گورے لوگوں کو ان کی محنت بھی کھلتی تھی اور انھوں نے یہ دیکھ کر کہ ہندستانی مزدوروں کی طاقت بڑھ رہی تھی، انھیں وہاں سے نکال باہر کرنے کی کوشش کی۔ ان پر ٹیکس لگایا گیا۔ گاندھی جی اور ان کے ساتھیوں نے ہر ناانصافی کے خلاف آواز اٹھائی اور ہر جگہ سچ کی جیت ہوئی۔

گاندھی جی نے نٹال میں ہندستانیوں کی ایک سیاسی جماعت بنائی اور اس کا نام نٹال انڈین کانگریس رکھا گیا۔ سیٹھ عبداللہ کا گھر اس پارٹی کا آفس بن گیا۔ گاندھی جی نے اپنا وقت صرف سیاست میں نہیں گزارا، انھوں نے وہاں رہ کر کئی زبانیں سیکھیں وہ اردو بھی جانتے تھے اور ٹامل بھی۔ کچھ لوگوں کو انھوں نے انگریزی بھی پڑھائی اور وہاں کے کرسچین لوگوں سے اُن کے

مذہب کے بارے میں معلومات بھی حاصل کیں۔ انھوں نے انجیل بھی پڑھی اور قرآن بھی پڑھا۔ خود ہند و مذہب کے بارے میں کتابیں انھوں نے افریقہ ہی میں پڑھیں۔

یہ کہانی ایک خط سے شروع ہوئی لیکن ایک کتاب پر ختم ہوئی۔ اِسے زندگی کی کتاب کہتے ہیں ـــ گاندھی جی دکھنی افریقہ میں ۲۱ سال رہے۔ وہ ایک وکیل کی حیثیت سے گئے تھے اور ایک لیڈر کی حیثیت سے واپس ہوئے۔ جب وہ افریقہ گئے تھے تو اجنبی تھے۔ جب وہ افریقہ سے واپس ہورہے تھے تو افریقہ کا ہر شخص انھیں جانتا تھا۔ ایک مدراسی مزدور بال سندرم کے مقدمے نے تو انھیں اتنا مشہور کردیا تھا کہ لوگ دور دور سے ان سے مِلنے آتے تھے۔

گاندھی جی کو اپنے وطن واپس ہونا تھا لیکن افریقہ میں انھوں نے اپنا کام اتنا پھیلا دیا تھا کہ اس کے سنبھالنے کے لیے کسی اچھے اور ہمّت والے شخص کی ضرورت تھی۔ گاندھی جی نے وہاں سے رخصت ہوتے وقت انڈین کانگریس کا کام آدم جی میاں خاں کے سپرد کیا۔

گاندھی جی ۱۸۹۶ء میں دکھنی افریقہ سے ہندستان واپس آگئے، اور یہاں پہنچنے پر وہ اس راستے پر چل پڑے جو بہت لمبا تھا لیکن اس راستے پر ایک تختی لگی تھی جس پر لکھا تھا۔ ہندستان کی آزادی ـــ گاندھی جی اس راستے پر اس وقت تک چلتے رہے جب تک کہ وہ آخری منزل پر نہیں پہنچ گئے۔

THIS EBOOK IS DOWNLOADED FROM
SHAAHISHAYARI.COM

LARGEST COLLECTION OF URDU
SHERS, GHAZALS, NAZMS AND EBOOKS.

سچائی کا وہ چراغ جو دکھنی افریقہ میں روشن ہوا، ہندستان میں سورج بن کر چمکا۔

یہ کہانی ایک شخص کی نہیں ایک قوم کی، ایک ملک کی کہانی ہے۔

بچوں کا پرانا ساتھی

ماھنامہ

پیامِ تعلیم

نئی دہلی ۲۵

۱۹۲۶ء سے شائع ہو رہا ہے

- دلچسپ، حیرت انگیز اور پُراسرار کہانیاں
- سائنسی اور مذہبی معلومات
- کارٹون، لطیفے اور مزاحیہ مضامین
- تاریخ، جغرافیہ
- شہریت کے آداب

پر دلچسپ انداز میں
بہترین مواد پیش کرتا ہے۔

ماھنامہ پیامِ تعلیم

جامعہ نگر۔ نئی دہلی ۲۵

© عائشہ یوسف ناظم

تقسیم کار:
صدر دفتر:
مکتبہ جامعہ لمیٹڈ۔ جامعہ نگر۔ نئی دہلی 110025
شاخیں:
مکتبہ جامعہ لمیٹڈ۔ اُردو بازار۔ دہلی 110006
مکتبہ جامعہ لمیٹڈ۔ پرنسس بلڈنگ۔ بمبئی 400003
مکتبہ جامعہ لمیٹڈ۔ یونی ورسٹی مارکیٹ۔ علی گڑھ 202001

ستمبر ء تعداد 1000 قیمت -/3

لبرٹی آرٹ پریس (پروپرائٹرز: مکتبہ جامعہ لمیٹڈ) پٹودی ہاؤس، دریا گنج۔ نئی دلی میں طبع ہوئی

THIS EBOOK IS DOWNLOADED FROM
SHAAHISHAYARI.COM

LARGEST COLLECTION OF URDU
SHERS, GHAZALS, NAZMS AND EBOOKS.

آدمی کی زندگی میں کوئی بات، کوئی واقعہ ایسا ہو جاتا ہے جو اس کی زندگی کے دھارے کا رُخ بدل دیتا ہے۔ گاندھی جی کے ساتھ بھی یہی ہوا۔ انھوں نے لندن سے بیرسٹری کا امتحان کامیاب کیا تھا اور بمبئی میں وکیل کی حیثیت سے زندگی گزارنے کا فیصلہ کیا تھا۔ لیکن انھیں تو آگے چل کر اتنا بڑا آدمی بننا تھا کہ آج بھی دنیا کا بڑے سے بڑا آدمی اُن کا نام ادب سے لیتا ہے اور اس کے دل میں یہ آرزو ہوتی ہے کہ اسے بھی وہی عزت ملے جو گاندھی جی کے حصّے میں آئی تھی۔

گاندھی جی پور بندر میں پیدا ہوئے۔ راج کوٹ اور بھاو نگر میں ان کی تعلیم ہوئی اور بعد میں وہ لندن گئے۔ ان دنوں لندن جانا اتنا آسان نہیں تھا جتنا آسان آج ہے۔ ہزاروں لاکھوں طالب علموں میں کسی ایک طالب علم کو ایسا موقع ملتا تھا۔ اس بات کو ۱۰۰ سال سے بھی زیادہ ہو گئے اور اُن دنوں تو ہندستان میں لوگ بیل گاڑی سے سفر کرتے تھے۔ گاندھی جی لندن جانے سے پہلے اپنی ماں سے اجازت لینے راج کوٹ

سے پور بندر گئے تو انھوں نے بیل گاڑی ہی سے سفر کیا اور کچھ سفر اونٹ پر بیٹھ کر طے کیا۔

وہ لندن سے آئے تو بمبئی میں انھوں نے وکالت کرنی چاہی لیکن اپنے پہلے ہی مقدمے میں ہمت ہار بیٹھے۔ یہ ایک معمولی سا مقدمہ تھا جس کی فیس ۳۰ روپے طے ہوئی تھی۔ گاندھی جی جب عدالت کے کمرے میں بحث کرنے کھڑے ہوئے تو ان سے کچھ بھی بولا نہ گیا اور انھوں نے خود ہی یہ مقدمہ دوسرے وکیل کے حوالے کر دیا۔۔۔ وہ کچھ دنوں بعد راج کوٹ چلے گئے۔ انھیں دِنوں ان کے بڑے بھائی کو پور بندر کے ایک میمن تاجر نے خط لکھا۔ اس ایک خط نے گاندھی جی کی زندگی کا رُخ بدل دیا۔ اس خط میں لکھا تھا، ہمارا افریقہ میں بڑا بیوپار ہے۔ افریقہ کی عدالت میں ہمارا ایک مقدمہ چل رہا ہے اور ہم کو ۴۰ ہزار پونڈ ملنے ہیں۔ یہ مقدمہ بہت دنوں سے چل رہا ہے اور ہم نے وہاں کے بڑے بڑے وکیل اس مقدمے کی پیروی کے لیے مقرر کیے ہیں۔ اگر آپ اپنے بھائی کو وہاں بھیج سکیں تو وہ ان وکیلوں کو ہماری طرف سے صحیح ہدایتیں دے سکیں گے۔۔۔ اس خط کے ملنے پر گاندھی جی کے بڑے بھائی نے گاندھی جی سے بات چیت کی اور گاندھی جی کو دا دا عبداللہ اینڈ کمپنی کے پارٹنر سیٹھ عبدالکریم زویری سے ملایا۔ طے یہ ہوا کہ گاندھی جی کو افریقہ آنے جانے کا فرسٹ کلاس کا کرایہ دیا جائے گا اور ۱۰۵ پونڈ نقد دیے جائیں گے۔ اس کے علاوہ سارا

خرچ کمپنی اُٹھائے گی۔ گاندھی جی نے یہ سودا منظور کر لیا۔ یہ سوچ کر کہ وہ ۱۰۵ پونڈ تو بھائی کو بھیج دیں گے۔

اس وقت ہندستان میں انگریزوں کا راج تھا اور یہاں بھی ناانصافی اور اونچ نیچ کی باتوں کی کمی نہیں تھی لیکن افریقہ کا حال تو اور بھی بُرا تھا اور یہی گاندھی جی کو خود اپنی آنکھوں سے دیکھنا تھا اور بے جا ظلم بھی سہنا تھا ــــ افریقہ کا سفر، انقلاب اور بغاوت کی طرف ان کا پہلا قدم تھا۔

گاندھی جی کو جہاز سے سفر کرنا تھا۔ ان کا فرسٹ کلاس کا ٹکٹ بھی خرید لیا گیا تھا لیکن جہاز میں انھیں جگہ نہیں مل رہی تھی اور ان سے کہا گیا تھا کہ وہ نچلے درجے میں سفر کریں۔ گاندھی جی کو یہ اچھا نہیں معلوم ہوا کہ وہ بیرسٹر کی حیثیت سے ڈیک پر سفر کریں جب کہ ان کے پاس پہلے درجے کا ٹکٹ بھی تھا ــــ انھوں نے جہاز کے کپتان سے بات کی۔ جہاز کے کپتان نے انھیں بتایا کہ افریقہ کے سفر میں کبھی بھی اتنے لوگ جہاز پر نہیں ہوتے لیکن اس جہاز سے افریقہ کے ایک گورنر بھی جا رہے تھے اس لیے یہ مشکل پیدا ہو گئی تھی۔ بہر حال کپتان نے گاندھی جی کو اپنے کیبن میں جگہ دے دی۔ گاندھی جی کا یہ سفر اپریل ۱۸۹۳ء میں شروع ہوا۔

سمندر کے سفر میں لوگ بیمار بھی ہو جاتے ہیں لیکن گاندھی جی کو ایسی کوئی تکلیف نہیں ہوئی اور وہ اتنے لمبے سفر میں اچھے خاصے رہے۔ سفر شروع ہونے کے ۱۳ دن بعد وہ افریقہ کے

علاقے میں پہنچے۔ پہلی بندرگاہ جہاں ان کا جہاز رُکا لاموتھی۔ یہ ایک چھوٹا سا مقام تھا اور یہاں جہاز کو ٹھہرنا بھی ۲، ۴ گھنٹے ہی تھا۔ لوگ جہاز سے اُتر کر ادھر اُدھر گھومنے نکل گئے گاندھی جی بھی ان کے ساتھ تھے اور جب جہاز کے چلنے کا وقت آیا تو سمندر اٹھان پر تھا۔ گاندھی جی بڑی مشکل سے ایک کشتی کے ذریعے جہاز تک پہنچے۔ کئی مسافر تو وہیں چھوٹ گئے۔ کپتان ان کا دوست بن گیا تھا اور اسی نے ان کی مدد کی، ورنہ یہ بھی دوسروں کے ساتھ پیچھے رہ جاتے۔

جہاز کی دوسری منزل ممباسا تھی اور اس کے بعد زنجبار۔ زنجبار میں سب مسافروں کو ۸، ۱۰ دن ٹھہرنا تھا۔ سمندر کے سفر میں یہی ہوتا ہے۔ کہیں نہ کہیں رکنا ہی پڑتا ہے۔ گاندھی جی نے زنجبار میں ایک کمرہ کرایے پر لے لیا اور آٹھ دس دنوں میں وہاں خوب گھومے۔ انھیں افریقہ کا زنجبار ہندستان کا ملا بار معلوم ہوا۔ زنجبار میں درخت اور پیڑ بہت اونچے ہوتے ہیں اور وہاں کے پھل بھی اتنے بڑے ہوتے ہیں کہ اٹھائے نہیں اٹھتے ـــــ ممباسا میں مسافروں کو جہاز بھی بدلنا پڑا۔ یہاں سے وہ موزبنیق ہوتے ہوئے نٹال پہنچے۔

نٹال کی بندرگاہ پر جب گاندھی جی کا جہاز پہنچا تو عبداللہ سیٹھ انھیں لینے کے لیے وہاں موجود تھے۔ عبداللہ سیٹھ وہاں کے بہت بڑے بیوپاری تھے لیکن تھے تو ہندستانی اور گاندھی جی نے بندرگاہ پر ہی محسوس کرلیا کہ وہاں ہندستانیوں کے

ساتھ اچھا سلوک نہیں کیا جاتا۔ گاندھی جی جب جہاز سے اُترے تو لوگوں نے انھیں حیرت سے دیکھا۔ ان سب کو وہ عجیب اور الگ سے دکھائی دیے۔ گاندھی جی ایک فراک کوٹ پہنے ہوئے تھے اور سر پر پگڑی تھی۔

عبداللہ سیٹھ اور گاندھی جی بڑی مشکل سے ایک دوسرے کو سمجھ سکتے تھے۔ عبداللہ سیٹھ انگریزی ضرور جانتے تھے لیکن بس اتنی کہ اپنے کاروبار کی باتیں کر سکیں اور سمجھ سکیں اور پھر مقدمے کا معاملہ تو بڑا نازک معاملہ تھا۔ اس میں سب سے بڑا سوال بھروسے کا ہوتا ہے۔ گاندھی جی پر بھروسا کیا جائے یا نہ کیا جائے اس بات کا تصفیہ ہی مشکل تھا۔ عبداللہ سیٹھ کے مقدمے کی کارروائی ٹرانسوال کی عدالت میں چل رہی تھی اور گاندھی جی کو وہیں بھیجا جانا تھا۔ عبداللہ سیٹھ نے پہلے گاندھی جی کو ڈربن کے وکیلوں سے ملایا اور انھیں ایک دن وہاں کی عدالت لے گئے۔ گاندھی جی کو سیٹھ کے بڑے وکیل (اٹارنی) کے بازو بیٹھنے کی جگہ ملی۔ جج انھیں بہت دیر تک گھورتے رہے اور پھر آخر ان سے پگڑی اتارنے کے لیے کہا۔ گاندھی جی نے انکار کیا اور عدالت کے کمرے سے باہر آ گئے۔ گاندھی جی نا انصافی سہہ ہی نہیں سکتے تھے۔ عدالت کے کمرے میں کسی جج کے حکم کو نہ ماننا بڑی ہمّت اور حوصلے کی بات تھی۔

گاندھی جی نے سوچا یہاں تو بہت کچھ معلوم کرنا ہوگا اور انھیں یہ معلوم کر کے بہت دُکھ ہوا کہ افریقہ میں ہندستانیوں کو ہندستانی

نہیں سمجھا جاتا بلکہ انھیں مسلمان، پارسی اور ہندو سمجھا جاتا ہے۔ مسلمان تاجر، عرب کہلاتے ہیں۔ پارسی خود کو ایرانی کہنا پسند کرتے ہیں اور رہے ہندو تو انھیں قلی کہا جاتا ہے۔ اونچ نیچ اور بے انصافی کی یہ بات انھیں پسند نہیں آئی۔ ایک آگ تھی جو دل میں سلگتی رہی ـــــ گاندھی جی نے پہلے تو سوچا کہ پگڑی کی جگہ انگریزوں کی ہیٹ پہنا کریں، لیکن عبداللہ سیٹھ نے انھیں منع کیا اور کہا اس طرح تو لوگ تمھیں ہوٹل میں کام کرنے والا سمجھیں گے ـــــ گاندھی جی پگڑی ہی پہنتے رہے اور افریقہ کے اخباروں میں انھوں نے ایک مضمون چھپوایا جس میں اس بے انصافی کا ذکر تھا۔ اس مضموں نے افریقہ میں گاندھی جی کو "بن بلائے مہمان" کے نام سے مشہور کر دیا، لیکن اس کے ساتھ ساتھ ان کی تعریف بھی ہونے لگی۔ سچ کی آواز اپنے سننے والے خود پیدا کر لیتی ہے۔

گاندھی جی کو اب پریٹوریا جانا تھا اور یہ سفر انھیں بہت مہنگا پڑا۔ ان کے لیے ٹرین کے پہلے درجے میں جگہ تھی اور گاندھی جی سونے کی تیاری کر ہی رہے تھے کہ اسٹیشن پر ایک نیا مسافر ٹرین میں سوار ہوا اور جب اس نے دیکھا کہ پہلے درجے میں ایک کالا آدمی بھی سفر کر رہا ہے تو اس نے دو انسپکٹروں کو بلوا کر گاندھی جی کو تیسرے درجے میں بھجوانا چاہا۔ گاندھی جی نے کہا میرے پاس پہلے درجے کا ٹکٹ ہے اور میں اسی درجے میں سفر کروں گا۔ لیکن ان کی کچھ نہ سنی گئی۔ ریلوے کے ایک کانسٹبل نے